مقالات

مسئلہ سُود پر ایک معاشی نظر

از

جناب مولٰنا مناظر احسن صاحب گیلانی

{حرمت سود کو ذہن نشین کرانے کے لیے چند تمہیدی اشارات کے بعد مسئلہ کو شروع کیا گیا ہے}

دماغی نہیں، بلکہ الٰہی پیغام لانے والے نفوس مجتبات صلوات اللہ علیہم وسلام نے عموماً اور ان کے آخری مصدق[1] صادق، اسی برگزیدہ جماعت کے امام و خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصاً کیا نہیں فرمایا، اور فطرت بشری اس سے کہاں تک اعراض کر سکتی تھی۔

انہوں نے فرمایا کہ :-

انسان کائنات و مخلوقات[2] کے لیے نہیں ہے۔

---

[1] نبوت محمدی کو عالم کی دوسری نبوتوں سے تردید و تکذیب کی نہیں بلکہ تصدیق کی نسبت ہے اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسلام کسی مذہب کو باطل کرنے کے لیے نہیں آیا بلکہ پیغمبروں کے پیغام میں انسانی تصرفات نے جو آمیزش کر دی تھی اس کی تہذیب و تصحیح ہی اسلام کا بڑا مقصد ہے ۱۲

[2] بتوں کو صفات الٰہیہ کے تمثیلی مجسمات قرار دینا، یا "نادیدہ" کی "نمایندگی" کے لیے "دیدہ" کو سامنے رکھنا یہ تمام توجیہات کیا ہیں، وہی عرق شرمساری ہے جو مخلوقات کی عبادت کی وجہ سے انسان اپنی پیشانی پر محسوس کرتا ہے، اور ان بارد توجیہوں سے پونچھنا چاہتا ہے ورنہ سچ یہ ہے کہ اگر گھوڑے کے فوٹو کو دیکھ کر سانپ کا خیال جانا ممکن نہیں ہے تو اسی طرح کیا بے مثل کو تمثیلی صورتوں کے ذریعہ سے سوچنا اس سے زیادہ لایعنی نہیں ہے، بتوں سے بت تراش کا خیال صنعتی تعلق سے ذہن میں آسکتا ہے، پھر خدا کو سوچنے کے لیے کیا اس کے مصنوعات کافی نہیں، آیات اللہ سے اللہ کی یاد بلاشبہ ممکن ہے اور اسی کا حکم بھی دیا گیا ہے ۔۱۲

پھر دیکھو کہ نسل آدم میں اب ایسا کون ہے جو مخلوق کے پوچھنے سے نہیں شرماتا؟ سماجی روک اگر اٹھا دی جائے تو کیا لوگوں کے ظاہر پر بھی وہی ندامت نہیں چھا جائے گی جو باطن میں ہل چل ڈالے ہوئے ہے؟ ورنہ تاویلوں اور توجیہوں کی ٹٹیاں مختلف شکلوں میں بنا بنا کر کیوں کھڑی کی جاتی ہیں؟ وَالقصّة بطولها۔

انہوں نے فرمایا کہ:۔

انسان کائنات کے لیے نہیں بلکہ کائنات ہی انسان کے لیے ہے[۱]۔

پھر اب بھی کوئی ان راہوں پر چلتا ہے جو رہبانیت کے صومعوں اور جوگیت کی کٹیوں تک جاتی تھیں؟ اب ان میں کون ہے جو کپڑوں سے بیزار ہو؟ روٹی سے چڑتا ہو؟ پانی سے گھبراتا ہو؟ بلکہ جسد عنصری سے تنگ آکر مادہ سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لیے سورگ سیڑھی کی تلاش میں ہمالیہ کے برفستانوں کو ڈھونڈھتا ہو؟ ابتدائی طریقے ختم ہو گئے۔ اختراعی پگڈنڈیوں کو بنی آدم نے آخر اپنے ہی ہاتھوں سے ڈھا دیا۔ اور خدا (کسی کے محاورہ میں "قدرت" کے ہاتھ) نے جو راہ نہیں بتائی تھی اس کی بقا کا کون ذمہ دار ہو سکتا تھا؟ مٹنے والوں کے ساتھ ان کی راہیں بھی مٹ گئیں، "وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِلّٰہِ"۔

ان کو شک اب صرف اس میں ہے کہ "میں کس لیے ہوں"؟ یا انسان کس لیے ہے؟ یہی تو دیکھنا ہے کہ بے نتیجہ زندگی گذارنے والوں کی محسن کشانہ سرکشی اپنے مالک کے آستانے سے کب تک باقی رہتی ہے؟ زندگی انجام سے کب تک بے تعلق رہے گی؟ کب تک آنکھیں بند رکھیں گے؟ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی۔ (کیا انسان یہ خیال پکاتا ہے کہ وہ بے نتیجہ بنا کر چھوڑ دیا گیا؟) کم استفہام کو کب تک نہیں سمجھیں گے؟ آخر اس کائنات کے کسی ذرہ کے لیے بھی انسان اپنے کو نہیں ثابت کر سکتا

[۱] قرآن مجید کے تقریباً ہر صفحہ میں اس کی تعلیم موجود ہے جس کا خلاصہ آیۃ هوالذی سخر لکم السمٰوٰت والارض جمیعاً (وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں سب کو تمہارے لیے ہموار کر دیا) میں کیا گیا ہے، اسی تعلیم کی طرف اشارہ ہے۔

تو بتایا جائے کہ "مسامنت ہستی" ہیں وہ کیوں شریک کیا گیا خیر مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں، میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جتنا انکار کیا گیا اس سے زیادہ اور بہت زیادہ اقرار کیا گیا ہے، اور کیا جا رہا ہے۔

ذاتی حقوق: رسل علیہم السلام نے ہم پر ہمارے ذاتی حقوق قائم کیے۔ پھر کیا مضرتوں سے بچنا، مفید چیزوں کو حاصل کرنا ہماری فطرت کا ایک سچا احساس نہیں ہے؟ ہم اس کو جنگلی خیال کرتے ہیں جو نجاستوں اور ناپاکیوں سے اپنے لباس اور بدن کو محفوظ نہیں رکھتا، صفائی اور طہارت کے اصول سے ناآشنا ہے، کھانے پینے کے حدود کی پابندیوں سے گھبراتا ہے۔ کیا اس کے دماغ کی سلامتی پر تم بہروسہ کرتے ہو؟ اسی لیے تو پیغمبروں نے زیادہ زور کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق دیا، حلال و حرام کی جتنی لمبی فہرست مذہب نے پیش کی ہے، تمہیں اور بھی کہیں اس کی نظیر نظر آتی ہے؟ کیا شراب کی خوبیوں پر انسان کا اصرار باقی ہے؟ مردار خواری سے اب کون نادم نہیں ہے؟ سانپ بچھو، کتے بلی درندوں کے گوشت میں کس کے کام و دہن کے لیے لذت باقی ہے؟ لحم خنزیر کے متعلق نادانوں کو دانایان طب[1] کیا سمجھا رہے ہیں؟ ان میں شراب ہی کو مدت تک کس نے سمجھا تھا جو تم کو اس زہریلے گوشت کے نہ سمجھنے کے متعلق اچنبھا ہوتا ہے؟ لیکن یقین کرو کہ اب تک جہاں سیکڑوں انکار دفن ہوئے ہیں، اس کو بھی سپرد خاک ہونا پڑے گا۔ خودکشی کے جرم ہونے کا جو اقرار کر چکے ہیں، کیا پوچھتے ہو کہ ان کو آگے کیا کچھ اقرار کرنا پڑے گا ہر وہ چیز جس سے انسان کی بیرونی یا اندرونی قوتوں یا نعمتوں پر زد پڑتی ہو اس کو چھوڑ دینا چاہیے، اس کلیہ کو جس نے تسلیم کر لیا ہے، جزئیات کے متعلق وہ کب تک شک

---

[1] ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کے گوشت میں ٹینی سولم کیڑے کے انڈے ہوتے ہیں اور جسم انسانی میں جاکر سخت خاردار کیڑوں کی شکل میں معدہ کے عضلات اور آنکھوں میں گھس جاتے ہیں لیکن لوگوں کو کیا معلوم کہ اس جسمانی نقصان کے سوا ذہنی و دماغی اخلاقی و روحانی نقصانات اس سے کیا پہنچتے ہیں اگر اس کے سارے نقصانات انسان کو معلوم ہو جاتے تو خدا کو بولنے کی ضرورت ہی کیا تھی

کے پنجوں میں پھڑپھڑائے گا۔

خاندانی حقوق | اب خاندانی اور صلۂ رحمی کے قانون سے کسے اختلاف ہے؟ عورتوں کو خاندانی رکنیت سے باہر کر دیا گیا تھا، لیکن کیا اب بھی کوئی نسوانی حقوق سے انکار کی جرأت رکھتا ہے؟ عورت جب ماں ہو تو کیا حق رکھتی ہے؟ جب وہ بہن ہو تو اسے کیا ملنا چاہیے؟ جب وہ بیٹی ہو تو اس کا کتنا حصہ بنے؟ حتیٰ کہ جب وہ بیوی ہو تو ہر شخص کے وقت میں، آمدنی میں اس کی جائداد میں اس کے لیے کیا ہے؟ کیا ان سوالوں سے کنارہ کش ہو کر انسانی بستی میں کوئی جی سکتا ہے؟ جو عورت کو کچھ نہیں دیتے تھے جس طرح اپنے گھوڑے اور ہل میں چلنے والے بیلوں کو کچھ نہیں دیتے تھے اسی طرح ان کے مملوکات میں عورت کے لیے بھی کوئی بہرہ نہ تھا۔ صداقت کا زور دیکھو کہ اب وہی اپنے کو عورتوں کا (اگرچہ عورت سے مراد ان کی اصطلاح میں صرف بیوی ہے) بڑا وکیل سمجھتے ہیں۔ وہ تو یہ مانتے ہیں کہ (عورت ہی نہیں بلکہ مرد کو بھی اپنے جسم اور بدن کو چھپانا چاہیے، اس کے لیے بھی لباس ضروری ہے۔ جو لباس نہیں پہنتے ہیں ان کو یہ بربر اور جھاڑیوں میں رہنے والا آدمی خیال کرتے ہیں۔ ستر اور پردہ سے وہ بھی بے نیاز نہیں، وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ اس چھپانے اور ستر پوشی میں عورت کو مرد کے اعتبار سے زیادہ غلو اور احتیاط سے کام لینا چاہیے تاہم جھگڑتے رہیں اور محض چند اعضاء کے متعلق جھگڑتے ہیں، وہ نہیں بس نہیں صرف گردن اور ہاتھ، چہرہ، سر، ہتھیلی کے متعلق ان کا اصرار ہے کہ عورت کا سب سے بڑا حق تھا کہ ان کو کپڑے سے نہ ڈھانکے۔ ان کا بیان ہے کہ محض انہی اعضاء کو کپڑے پہنانے کی بدولت قومیں سلطنتوں سے محروم ہو جاتی ہیں۔ شاید یہ تحفہ تاریخ کا ہے کہ ان نیچ گانہ اعضاء کو مستور و ملبوس کرنے کی وجہ سے دنیا کی اقوام رذیلہ (مثلاً ذہیڑ، دھنگر، چمار وغیرہ) اپنی اپنی آبائی حکومتوں کو کھو بیٹھی ہیں، اور غالباً اسی وجہ سے اب ان تمام صحرائی اور پست قوموں نے نہ صرف بدن کے ان حصوں کو بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ اعضاء کو لباس سے آزاد رکھنے کا تہیہ کر لیا ہے دیکھیے اس

بے ستری کے بعد بھی کولوں، اور بھیلوں اور ڈرا ویڈیوں کو اپنی رفتہ عظمت و گذشتہ شوکت کب واپس ملتی ہے تین چار ہزار سال تو تاریخی اعداد و شمار کے لحاظ سے گذر چکے ہیں، خدا کرے بے ستری اپنے نتائج کو اور بھی بار آور کرے طبیب نے بیماری کے سبب کی جو تشخیص کی ہے، دیکھیے اس کی تشخیص کب سچی ثابت ہوتی ہے، تاہم کیا کوئی ان سے یہ پوچھ سکتا ہے کہ عورتوں کے حقوق کی پامالی ان کے قیمتی جذبات شرم و حیا، عفت و عصمت کو واپس دلانے میں ہے یا اس دولت کو چوروں اور ڈاکوؤں کی راہ پر بکھیر دینے میں؟ یہ صحت کی حفاظت کو تمام چیزوں کی حفاظت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور جب ہر شخص پر اس کے ذاتی حقوق ہیں تو لا محالہ اس کو قابل ترجیح ہونا چاہیے، لیکن عورتوں کی صحت کے گلہ کرنے والے اپنے مردوں کے متعلق کیوں واویلا نہیں کرتے؟ سولن کی پہاڑیاں اور مدن پلی کے پارکس ان سے کیوں آباد ہو رہے ہیں؟ عورتیں دو میل پیدل نہیں چل سکتیں لیکن قلم کا چلانے والا موٹر کے بغیر کیا ایک میل بھی تو نہ سنبھالے چل سکتا ہے؟ عورتوں کو تو پردے نے بیمار کیا، لیکن تنہا مردوں کو کس نے عینک کا فقیر، اندھا اور ڈاکٹروں کا ابدی غلام بنا دیا؟ طبیب جب مرض کے سبب کی تشخیص نہیں کر سکتا تو اس نے اپنے دروازہ پر طبابت کا تختہ کیوں لگایا ہے؟ چرخہ کی جگہ ناول، موسل کی جگہ قلم، سل کی جگہ اخباروں کے صفحات بھی بیچو گے اور اس کے بعد چیخو گے کہ بیویوں کی تندرستیاں برباد ہو رہی ہیں؟ ذہنی بیچینیوں اور دماغی شورشوں میں جو مبتلا ہے اس کی جسمانی قوتوں کو کس نے شاداب پایا ہے؟ فالتو معلومات کو جن فطری قوتوں پر لادا گیا ان کے ذہنی بازوؤں کے پر بیشک لچک دار ہو جاتے ہیں، لیکن جسمانی نظام، اعصابی بندشوں کی سستی کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ کیا حکیم و ملا و صوفی بھی وہاں بیتر سے دکھا سکتے ہیں جہاں قلم والوں کی نہیں بلکہ صرف تلوار والوں کی تلاش ہوتی ہے، دماغ والوں کی نہیں بازار والوں کی قیمت ہے۔ دور از کار خبریں لا سود و سی مفروض جذبات ممکن ہے کہ تم نے عورتوں کو دئیے ہوں لیکن بڑی چیز لے کر نہایت چھوٹی چیز دی گئی، بڑے

ٹوٹے کا بیوپار ہے جو ان غافلات کے ساتھ کیا گیا۔ اور ایک چیز کیا جو برے اندیشے پکاتے ہیں "ان کے منہ میں خاک" تم نے سنا بھی ہے کہ کن گندی باتوں سے وہ اپنے منہ کو اور دوسروں کے کانوں اور دماغ کو، بدبو کرتے ہیں؟ "اللھم احفظ المومنات الغافلات عن مواضع التھمات" اور دوسروں کے اندر ان سیاہ اور غلیظ بدگمانیوں کی کیچڑ کس لیے پیدا کی گئی؟ صرف اس لیے کہ چند گنے گنائے خفیف اعضاء پر ان سے کہا گیا تھا کہ ان کو جامہ کی زیبائش سے محروم نہ کرو۔ لیکن تم کو اس محرومی پر اصرار ہے۔ یہی تو ایک بات ہے جس پر طوفان اٹھایا گیا، مشرق کو مغرب سے ملایا گیا۔ ورنہ ایسا کون ہے جو مردوں کو عورتوں سے، ہر قسم کے مردوں سے، اسی طرح بے تکلف ہونے کی اجازت دے جس طرح ایک مرد سے مرد اور ایک عورت سے عورت بے تکلف ہوتی ہے؟ بیٹی جو کچھ باپ کے لیے ہے کیا کسی نوجوان پروفیسر کے لیے بھی وہی رہ سکتی ہے؟ بہن جو کچھ بھائی کے لیے ہے، کیا کہتے ہو کہ وہی ان تیکھے طالب علموں کے لیے بھی رہے گی، جن کا دماغ کلاسوں میں بھی صرف اپنی ٹیڑھی مانگوں میں ڈوبا ہوا رہتا ہے؟ کیا ان بانکوں کے لیے بھی وہ عورت وہی باقی رہ سکتی ہے جو اپنے لخت جگر بیٹے کے لیے ہے؟ اللہ کے بندو! آخر تم سوچ سکتے ہو کہ بیوی جو کچھ شوہر کے لیے ہے وہی ہر اجنبی ترچھے مرد کے لیے بن سکتی ہے؟ کیا کر رہے ہو؟ کدھر بھرائے جا رہے ہو؟ گھر کی مالکہ کا، اہل بیت کا تم نے نام چار دیواری کی قیدی رکھا؟ سوچو تو کیا جنگل کے بربر، پہاڑوں کے جانور تم پر، تمہاری کوٹھیوں پر اور بنگلوں پر اسی فقرے کو چست نہیں کر سکتے جو تم نے غریب عورتوں پر کسا ہے؟ لیکن میں تو انسانی قالبوں سے وہی سن رہا ہوں جس کی توقع صرف بیاباں کے جانوروں سے تھی۔

کامل لباس پہنو، اور جو اپنے نہیں ہیں نہ ہو سکتے ہیں، ان کو اپنا نہ سمجھو!"[1]

[1] خاندانی حقوق کے ذیل میں پردہ کا ذکر آگیا، دل جلا ہوا ہے اس لیے قلم رکتا نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اتمام بحث کے لیے عورت پر ایک مستقل مضمون مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے لکھا جائے گا۔

کیا قرآن پر ایمان لانے والیوں کا اس سے زیادہ برعمل ہے؟ جو کامل حلہ دفل ڈریس ہے آئی ہے اسی کو تم نے تہذیب کا دشمن سمجھا، اور جس نے غیر یا اجنبی کو اپنا خیال کیا اس کو تم نے علم اور عقل کا دوست خیال کیا۔ زمین کی گردش جس کو آفتاب میں نظر آئی تم نے اس پر قہقہہ لگایا لیکن جو باپ نہیں تھا اس کو باپ، اور جو بھائی نہیں تھا اس کو بھائی، اور جو بیٹا نہیں تھا اس کو بیٹا جس نے اس جھوٹ کو سچ سمجھا کیا تم کو اس پر آنسو بہانا نہیں چاہیے؟ ضرر سے بچنے کے لیے جو بے ضرورت اجنبیوں کی سوسائٹی میں دھڑے سے نہیں جاتی ہیں یا نہیں جا سکتی ہیں، کیا نفع حاصل کرنے کے لیے وہی بضرورت تیرہ سو برس سے ہر سال لاکھوں کی تعداد میں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے بحرِ عرب اور بحرِ قلزم کو عبور نہیں کرتیں؟ کلدار موٹروں پر نہیں بلکہ بے سیدھی کل کے اونٹوں پر لق و دق صحرا اور ریگستان و کوہستان و بے بیابان کو طے نہیں کرتیں؟ زیادہ غلط بیانی سے کام نہ لو، زبان کی ٹکڑوں سے ضمیر کے ٹکڑے اڑ جائیں گے۔

خیر عورتوں کے متعلق اتنے عظیم افترا کے بعد صرف ان دو باتوں سے روٹھ جانا کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ میں واقعی یہ خیال کر لوں کہ روٹھے ہوئے، اپنے اللہ اور رسول سے روٹھے ہوئے کبھی نہ منیں گے۔ تم نے تو اختلاف کے لیے اسی مسئلہ کا انتخاب کیا ہے جس کے نتائج کے لیے قیامت کے انتظار کی ضرورت نہ ہوگی۔ وہ اس درخت کے بیج بو رہے ہیں جس کے پھل یہ خود توڑیں گے اور مرنے سے پیشتر توڑیں گے جیسا کہ ان کے ائمہ توڑ رہے ہیں۔

اپنے بچوں کی خود دوا کرنے والی مخدرات اپنے شوہروں کے لیے خود کھانے پکانے والی پردگیان عفاف، اپنے والدین کے خود کپڑے سینے والی عصمتیاں حیا پرور، بلکہ ان کپڑوں کے لیے خود دھاگا کاتنے والیوں سے تو صلاح الدین ایوبی، اور جلال الدین رومی اور محمود غزنوی اور امام غزالی بلکہ سچ یہ ہے کہ جمال الدین افغانی، امان اللہ درانی اور رضا شاہ خندرانی پیدا

ہوئے اور اب تک ہوتے رہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ ڈاکٹروں کی فیس میں شوہر کی نصف تنخواہ برباد کرنے والیاں باورچی کے بغیر شوہر کو بھوکا مارنے والیاں، درزی کے بلوں سے خاوند کے چہرے پر یرقان پیدا کرنے والیاں، شاپ کے تقاضوں کی بدولت شوہر سے راستہ چھڑا دینے والیاں، جامہ سے باہر ہو کر شیکسپیر و ڈرپیر کی نہیں اپنے سردار و سرور (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی گود میں کیسے بچے حوالے کرتی ہیں؟

بہر کیف یورپ مسلمانوں کی آنکھوں میں تنکا گھسا کرتا لیاں پیٹتا ہے لیکن اسے وہ شہتیر نہیں سوجھتی جو "اسلام" اس کے اندر اتار چکا ہے اور اتار کر رہے گا۔ اسی خاندانی حقوق کے سلسلہ میں کیا ایک مدت تک باپ صرف بڑے بیٹے کا باپ نہیں سمجھا جاتا تھا؟ لیکن اب بھی کوئی بیٹا ہونے کے حقوق سے اس لیے محروم ہو سکتا ہے کہ وہ بجائے جنوری کے دسمبر میں اپنے باپ کا بیٹا ہوا تھا؟

وطنی و قومی حقوق | چوری، ڈاکہ، قتل، فریب و خیانت، غیبت و حسد، رشوۃ، افترا، جھوٹ اور اس قبیل کتنے قوانین تھے جو ایک کے بعد ایک آتے رہے۔ کتنی سختیوں کے ساتھ کتنی دھمکیوں کے ساتھ ان کا اعلان کیا گیا۔ پھر اپنے پڑوسیوں اپنے ہم محلوں، ہم شہروں، ہم ملکوں کے متعلق اب بھی کوئی سوچ سکتا ہے کہ اس کی جانی مالی اخلاقی قوتوں کا صحیح استعمال یہ ہے کہ ان کے ذریعہ سے دوسروں کی جان و مال عزت و آبرو دل و دماغ کو گزند پہنچایا جائے؟ اب بھی کوئی یہ سن کر اپنی پیشانی پر شکن پیدا کر سکتا ہے کہ دولتمندوں اور سرمایہ داروں کے مال میں ان کے وطنیوں غریبوں اور ناداروں کا حصہ ہے؟ حصہ کی تعیین سے لوگ آنکھیں چراتے ہیں۔ دنیا نہ جانتی ہو یا نہ جاننا چاہتی ہو کہ تجارت کے مال میں چالیسواں، اور ذرعی پیداواروں میں مختلف حالات کے لحاظ سے کبھی دسواں اور کبھی بیسواں حصہ غریبوں کا قدرتی اور آسمانی حق ہے لیکن نفس خمس کے باب میں

تواب کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ عیادت (بیماروں کی خبر گیری)، ضیافت (مسافر نوازی)، مواخات (باہمی اخوت)، رفق کلام (گفتگو کی نرمی)، خلق حسن، اماطۃ الاذی عن الطرائق (سڑکوں اور راہوں کی ہمواری و صفائی) کے قوانین سے کس دل میں انقباض باقی ہے؟

سود کے جرم کی نوعیت الغرض اپنی قوم، اپنے ملک، اپنے شہر، اپنے محلّہ کے ساتھیوں کو اپنی شرارت سے محفوظ رکھتے ہوئے ان کو اپنی قوتوں سے فائدہ پہونچانا اب اس کی صداقت پر کس کو اعتماد نہیں ہے؟ ہاں! اب کوئی نہیں ہے، ان میں اب کوئی نہیں جس کے نزدیک جرم فقط وہی جرم ہے جس سے اس کی ذات یا زیادہ سے زیادہ اس کے خاندان پر ضرب لگتی ہو۔ الحمد للہ کہ جرم ان تنگ معانی سے اونچا ہو چکا ہے۔ دنیا ایمان لا چکی کہ جرائم کے سلسلہ میں ایک بڑا اور ناقابل عفو جرم وہ بھی ہے جس کے سلسلہ میں گھروں میں نہیں بلکہ قومی گھرانوں میں، وطن کی آبادیوں میں آگ بھڑک اٹھے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے کسی فعل یا قول سے تمہاری ذات یا تمہارے رشتہ داروں کو نفع پہونچتا ہو مگر اسی حرکت اور جنبش سے قومی کشتی ڈگمگانے لگے۔ تو کیا بنی آدم کا قانونی اور اخلاقی ضمیر بلکہ افادی تعقل اس طوفانی ہنگامہ کو جائز قرار دے سکتا ہے؟ آج سب کچھ بخشا جا سکتا ہے لیکن جس کے بخشنے کے لیے کوئی آمادہ نہیں وہ فقط قومی جرم ہے سچائی کی اس چٹان کو کوئی ہلا نہیں سکتا۔ اجمال کو سب مان چکے۔ پھر وہ تفصیل میں ہم سے کیوں الجھ پڑتے ہیں؟ آخر یہی تو وہ بنیاد تھی کہ جہاں لوگوں کو چوری اور ڈاکہ سے روکا گیا، فریب و خیانت سے ڈانٹا گیا، اسی کے ساتھ ساتھ ہر آنے والے نے اُس بڑے گناہ عظیم جرم کی بستیوں کو بھی بھکایا، جس کی ابتدائی موجوں میں نادانوں کو زندگی کی لہریں نظر آتی ہیں، لیکن جس کی تاریک گہرائیوں میں عمیق دانش والوں نے صرف موت کی چیخ پکارا اور تباہی کی دار و گیر کو سنا گیا " منوجی " نے نہیں کہا کہ " سود " کھانا " گو " کھانے کے برابر ہے؟ توراۃ میں کیا اس کا معاہدہ انسانوں سے نہیں لیا گیا کہ تم سود نہ کھانا؟ کیا مسیح نے بغیر کسی شوشے کے بدلنے کے بائبل کے قانون کی توثیق

نہیں کی ؟ اور سنو ! آسمان سے جو آخری آواز سود کے متعلق آئی وہ یہ تھی ۔

" اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو ۔ فَمَنْ جَآءَہٗ مَوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ فَانْتَھٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُہٗٓ اِلَی اللّٰہِ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۔ یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰو وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ "

" تجارت کو خدا نے حلال کیا ، اور سود کو حرام کیا ، پس جس کے پاس خدا کا پند آگیا اور وہ اس سے رکا تو جو کچھ اس نے پہلے لیا وہ اس کا ہے اور اس کا فیصلہ خدا کے سپرد ہے ۔ اور جو پھر اس سود خواری کی طرف پلٹا تو یہی جہنم والے ہیں ، اس میں ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے ، صدقہ کو بڑھاتا ہے ، اور خدا کسی ناشکرے گنہگار کو پسند نہیں کرتا ۔"

اور اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ اس فعل کے آخری آثار و نتائج کو بالآخر اس طرح کھول کر رکھ دیا گیا ۔

" فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ "

" اگر تم نے ایسا نہ کیا (سود خواری سے باز نہ آئے) تو خدا اور اس کے رسول کو جنگ کا اعلان دیدو ۔"

عرب کے جاہلوں کے سینوں میں بھی شیطان نے اسی منتر کو پھونکا تھا ، جس کے ساحرانہ اثرات آج بھی انسانوں کو اس قانون کے سمجھنے سے روک رہے ہیں ۔ انہوں نے بھی پوچھا تھا اور یہ بھی پوچھتے ہیں کہ جب ہر چیز کی تجارت جائز ہے تو روپے کی روپیہ سے تجارت میں کیا نقصان ہے کہ اس سے ہم روکے جاتے ہیں ؟ ان میں سے اکثر پوچھتے ہیں کہ دس ہزار روپے کے مکان کو ہم کرایہ پر چلاتے ہیں ، اور کرایہ حلال ہے ، پانچ ہزار کی موٹر کرایہ پر چلاتے ہیں اس اجرت کو کوئی

ناپاک نہیں کہتا، اپنی زمین سب پٹہ پر لوگوں کو دیتے ہیں اور مالگذاری کے جواز میں کسی کو کلام نہیں پھر اگر بجائے ان چیزوں کے ہم براہ راست اپنے روپے کو کرایہ پر لگاتے ہیں تو اس پر خدا جنگ کی دھمکی کیوں دیتا ہے؟ لڑنے کے لیے کیوں بلاتا ہے؟

لین دین اور کاروبار کی بنیاد باہمی قربانی پر ہے

ہاں تو سوچنے کی بات تھی کہ جو اس تمام کاروبار کو ناجائز کہتا ہے بھیک کا دشمن ہے محنت کا معلم ہے جس نے تجارت میں اپنی قوم اور اپنی امت کی روزی رکھی تھی وہی یکایک اس معاملہ میں ایسے سخت احکام کیوں نافذ فرماتا ہے؟ اس نے تم سب کے ساتھ ہمیشہ بہی خواہی کی اور وہ اسی لیے تھا۔ پھر تم کو بدگمانی کیوں ہوئی؟ جس نے تمہارے لیے دنیا اور آخرت کے دروازے کھولے آخر وہی روزی کی اس راہ پر زنجیریں کیوں چڑھاتا ہے؟

سوچا نہیں گیا، ورنہ بات تو اتنی مشکل نہیں تھی۔ ہاں! تجارت میں بھی لین دین ہے اور کرایہ کے معاملہ میں بھی یہی ہوتا ہے بلکہ دنیا کے سارے کاروبار کی بنیاد اسی پر ہے لیکن ان معاملات میں کیا کوئی معاملہ ایسا ہے جس میں قربانی صرف ایک طرف سے ہوتی ہو تاجر کپڑے کی قربانی کرتا ہے، گاہک روپے کی، تم نے مکان دار کو کرایہ دیا، یہ تمہاری طرف سے قربانی تھی، اور تمہاری بود و باش کے ایام میں مکان کے ہر جز کی حیثیت میں جو خرابی پیدا ہوئی، یہ قربانی صاحب مکان کی طرف سے ہوئی۔ بڑے دیوانے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ مکان کی جو حیثیت کل تھی وہی آج بھی باقی ہے۔ اس کی اینٹ پتھر، لکڑی، اور تمام عملے پر زمانہ کے امتداد کا یقیناً اثر پڑتا ہے۔ نتائج کا ظہور دیر میں ہو لیکن مرمت کی ضرورت جس وجہ سے پیش آتی ہے اس کی ابتدا پہلے دن سے شروع ہو جاتی ہے۔ موٹر ایک ہی دفعہ کیوں نہ چلی ہو، لیکن اس کے کل پرزوں اور تمام اندرونی و بیرونی ساز و سامان کی وہ حیثیت کبھی باقی نہیں رہ سکتی جو چلنے سے پیشتر تھی۔ زمین پر ایک ہی دفعہ کاشت کیوں نہ کی گئی ہو لیکن نشو و نما

کے لیے جن اجزار کی ضرورت ہے وہ اس مقدار میں قطعاً باقی نہیں رہتے جو کاشت سے پہلے اس زمین میں قدرتی طور پر موجود تھے۔ بہرحال ہر لین دین میں طرفین کو اپنی اپنی چیزوں کی ذات و یا کم از کم صفات کی قربانی ضرور کرنی پڑتی ہے۔ پھر کیا روپے کا بھی یہی حال ہے؟ تم نے دس ہزار روپے سنہ ۱۹۱۰ء میں کسی کو قرض دیے ہیں اس کو مختلف کاروبار میں لگانے کے بعد ۱۹۳۶ء میں تمہیں وہ واپس کرتا ہے۔ کیا روپے کی ذات میں خرابی پیدا ہوئی؟ کیا اس کے صفات میں کوئی نقصان پیدا ہوا؟ تم نے کھرے روپے دیئے، اب لوگے بھی اسی طرح ٹھوک بجا کر۔ بہرحال کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ چونکہ ہر روپیہ دوسرے روپیہ کا قائم مقام ہوتا ہے اس لیے انقضار مدت یا کثرت استعمال سے نہ تو روپیہ کی ذات متاثر ہوتی ہے نہ اس کے صفات میں کوئی تغیر پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مکیلات یا وہ چیزیں جو تول کر یا ناپ کر بیچی جاتی ہیں وہ اسلام میں ربوی اموال ہیں، اور ان کا وہی حکم ہے جو چاندی سونے کا ہے۔ قانون کو عملی شکل میں لانے کے لیے مثلیات کے معمولی صفاتی تفاوت کو اسلام نے ناقابل التفات قرار دیا ہے۔

بہرحال جس شخص نے کسی کو روپیہ قرض دیا ہے، کیا اس کا اصل سرمایہ ہمیشہ محفوظ نہیں رہتا؟ اب اگر اس پر ہر مہینہ اس نے سود لگا دیا تو وہ نہ صرف اصل سرمایہ ہی محفوظ ہے بلکہ وہ مختلف حسابی بالیدگیوں کے جال میں دن دونی رات چوگنی ترقیوں کے ساتھ منافع کی ایک غیر محدود مقدار کو مسلسل بغیر کسی انقطاع کے بار آور کر رہا ہے۔

یہ تو قرض دینے والے کا حال ہے، اب لینے والے پر غور کرو۔ اس نے اگر کسی حاجت و ضرورت کے لیے لیا ہے تو لیکر اس میں خرچ کر دے گا۔ اس کا سرمایہ بھی گیا اور سود در سود کی دلدلوں میں اس بری طرح پھنستا ہے کہ دیتا جاتا ہے اور اس کا دینا کسی طرح ختم نہیں ہوتا

بماند تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

اور اگر اس نے کسی کاروبار میں لگانے کے لیے مثلاً تجارت، زراعت، صنعت، وغیرہ کے لیے لیا ہے تو اس قسم کے معاملات میں اس کی ذمہ داری کون لے سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ نفع ہی میں رہے گا۔ نفع بھی ہوگا اور نقصان بھی۔ پس ان دونوں صورتوں میں قرض دینے والے نہایت محفوظ پوزیشن میں نہ صرف زندہ رہتے ہیں بلکہ مالی زندگی میں غیر معمولی قوتوں کے ساتھ بڑھتے رہتے ہیں، اور غریب لینے والے نے اگر حاجت کی بنیاد پر لیا تھا تو اس کی تباہی یقینی ہے اور اگر کاروبار کے لیے تھا تو جو کبھی نہیں ڈوبا اس کا مقابلہ وہ کس طرح کر سکتا ہے جو لاکھوں دفعہ ڈوبا اور لاکھوں دفعہ ابھرا؟ جو کبھی بیمار نہیں ہوا، کیا اس کی صحت کا مقابلہ وہ مسکین کر سکتا ہے جو سال کے چھ مہینے کسی نہ کسی بیماری کو جھیلتا ہو؟

مال کی یکطرفہ گردش کا انجام | پس گو دس بیس سال ہی اس کے نقصانات ظاہر نہ ہوں لیکن کچھ مدت کے بعد اس یکطرفہ مالی گردش کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کی اکثر دولت سمٹ کر ان لوگوں میں پہنچ جائے گی جنہوں نے خود یا ان کے باپ داداؤں نے ابتدا میں بظاہر لوگوں کا کام چلانے کے لیے اپنا سرمایہ نکالا تھا۔ اور وطن کے اکثر افراد بے دست و پا ہوکر یا تو ان کے غلام زرخرید بن جائیں گے، یا اس جال سے نکلنے کی کوشش کریں گے لیکن بجائے نکلنے کے اس کے حلقے اور مضبوط سے مضبوط تر ہوتے جائیں گے۔ سرمایہ دار، لامحدود سرمایہ دار پھر سود ہی نہیں اور سینکڑوں ذرائع سے انھیں گھیرتا ہے جس طرح لوہے کی تلواروں، توپوں اور سنگینوں والے گھیرتے ہیں۔ لوگ صرف آہن کی سختی کے قائل ہیں، نادر و تیمور و چنگیز و ہلاکو پر لعنت کرتے ہیں، لیکن چاندی والا شائلاک اور سونے والا مو چند کیا اس سے کم کرتا ہے جو انہوں نے کیا؟ اور اگر ایسا نہ بھی ہوا کہ اس کے لیے کچھ مدت درکار ہے تو بھی سرمایہ داروں کی انتہاء آمدنی، دولت کی سپہر پیما بلندی کے مقابلہ میں ملک کے اکثر افراد کو اپنی ہر اونچائی

پستی، ہر امیری، غریبی، ہر فراغت تنگی، ہر اوج حضیض محسوس ہوتی ہے جس کے بعد عوام کے عرص و حد، بے صبری، کثرت طلبی کے آتشین سمند رابل پڑتے ہیں، اور چونکہ سرمایہ داروں کی تعداد تھوڑی ہوتی ہے اس لیے انجام کار اس کا فیصلہ بجائے مالی قوت کے جسمانی قوت کے ذریعہ سے کرنے پر غرباء کی جماعت مجبور ہو جاتی ہے۔ پھر ملک میں ٹھگوں، قزاقوں، راہزنوں، اور بٹ ماروں کی ٹولیاں گشت کرنے لگتی ہیں، خواہ وہ لیبررز، کمیونسٹ، سوشلسٹ بالشوسٹ کسی نام سے اپنے کو موسوم کریں اس وقت سرمایہ رکھنے والے کانپتے ہیں، مگر بے کار کانپتے ہیں، اور نہیں سوچتے کہ جو خدا اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا اگر آج بدامنی کے شعلوں میں گھر گیا ہے تو کیا خدا کے غصہ کا ایک ناسوتی رنگ یہ بھی نہیں ہے؟ اب وہ اٹھتے ہیں اور اس طرح اٹھتے ہیں جس طرح مخبوط اٹھتا ہو جس کو شیطان نے چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو۔

بہرحال استدلال و تجربہ، فہم و مشاہدہ ہر ایک اس امر کی تائید میں ہے کہ سود خواری سے شخصیتوں کو خاندانوں کو نقصان پہونچتا ہو یا نہ ہو، دلوں میں اس سے قساوت اور سیاہی آتی ہو یا نہ آتی ہو، سود خوار شائلاک یہودی یا بھی چند مارواڑی کے رذیل و خبیث صفات کا وارث بن کر کوئی چوپایا یا درندہ بن جاتا ہو یا نہ بنتا ہو لیکن قوم و وطن کے اجتماعی اعضا اس کے زہریلے جراثیم سے جس قدر ماؤف ہو جاتے ہیں کسی سے نہیں ہوتے جب ملک میں سودی کاروبار کا رواج ہوتا ہے وہاں ذاتی طور پر کچھ لوگ دولت کی ثریا تک کیوں نہ پہنچ جاتے ہوں لیکن قومی لحاظ سے اس ملک کا آخری ٹھکانا صرف ثریٰ کی تاریک گہرائیوں میں ہے۔ یقیناً سود سے ملک کی دولت میں طبعی نشو و نما تو نہیں ہوتا، ہاں! تھوڑے دنوں کے لیے نگاہوں کو خیرہ کرتے ہوئے اجتماعی زندگی کے بعض خاص خاص اعضاء میں ورم پیدا ہو جاتا ہے۔ احمق اسی کو فربہی سمجھتے ہیں، لیکن دانشمندوں کو اس میں صرف سمی فاسد مادہ بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ سود خوار اپنی ذات کا اپنے

خاندان کا مجرم ہوتا ہے یا نہیں، لیکن قوم کا تو وہ بدترین مجرم ہے اور ایسا سخت مجرم کہ اس کے مقابلہ میں ڈاکوؤں کا جرم اگر ثواب نہیں تو جرم بھی نہیں۔ ڈاکو اپنے خطرناک ہونے کا اعلان کر دیتا ہے، ہر شخص اس سے بچنے کے لیے اپنے کو کسی نہ کسی طرح آمادہ کر لیتا ہے لیکن خیراتی ہسپتالوں کے بنانے والے، تعلیم گاہوں کی آنکھوں میں لاکھوں روپے کی خاک جھونکنے والے سود خواروں کے متعلق کون باور کر سکتا ہے کہ قوم کا یہ وہ عضو ماؤف ہے، جو ملک کی آمدنی کے تمام ذرائع کو مختلف نالیوں کی راہ سے صرف اپنی ذاتی، خاندانی توندمیں نہایت خاموشی کے ساتھ اتار رہا ہے۔

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی
مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ" کی تفسیر کھلے لفظوں میں شروع ہو جاتی ہے

کیسی عجیب بات ہے کہ ان سرمایہ داروں دولتمندوں کے پاس لاکھوں روپے اس لیے تو ہیں کہ وہ بیماروں کے لیے ہسپتال کھولیں، جاہلوں کو تعلیم دیں، لیکن اگر ان کے پاس روپیہ نہیں ہے تو ان غریبوں اور ناداروں کو بغیر سود کے قرض دینے کے لیے نہیں ہے جو تجارت کر سکتے ہیں، لیکن سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کر سکتے۔ وہ صنعتی کاروبار پھیلانا چاہتے ہیں لیکن نہیں پھیلا سکتے کہ اس کے لیے بھی سرمایہ کی ضرورت ہے، وہ زراعت کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کر سکتے کہ اس کے لیے بھی سرمایہ درکار ہے، اور بغیر سودی سرمایہ کے دنیا کے کسی خطہ میں، کسی نظام میں قرض ملنے کی اس زمانہ میں کوئی توقع نہیں ہے۔

کیا بغیر سود کے قرض کی تنظیم ناممکن ہے | ان میں سے اکثر پوچھتے ہیں کہ اپنا سرمایہ ہم دوسروں کو اس لیے خواہ مخواہ دیدیں کہ وہ تو اس سے نفع اٹھائیں اور ہم صرف ان کے قرضوں کے حساب و کتاب،

تحصیل وصول کے لیے اپنے کو وقف کر دیں، اور اپنے لیے کوئی نفع نہ رکھیں۔ دیکھو! یہی وہ شخص ہے جس نے ابھی ابھی بیس لاکھ روپے خیرات کی مد میں دے کر اپنا نام اخباروں میں اُچھالا ہے۔ اس نے کسی یونیورسٹی کے نام چالیس لاکھ کا چیک بھیج کر پروفیسروں کی جھکی ہوئی گردنوں سے شکریہ وصول کیا ہے۔ کیا اس کو لاکھوں روپیوں میں سے ایک روپیہ کی واپسی کی بھی امید ہے؟ پھر کیا ہو گیا ہے کہ اس شخص سے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ بیس نہیں، پندرہ نہیں، دس لاکھ روپے بطور قرض کے غریبوں کو دیدو تو اس سے اس کی پیشانی کی کھال کیوں سکڑ جاتی ہے؟ قرض کی صورت میں نفع نہ سہی لیکن اصل سرمایہ کی واپسی کی تو قطعی امید ہے مگر جو اصل سرمایہ کو بھی اپنے ہاتھوں سے ہمیشہ کے لیے پھینک سکتا ہے، اسی کو جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایسی نیکی کیوں نہیں کرتے جس میں تمہارا اصل سرمایہ بالکل بے داغ تمہاری جیب میں واپس آجائے گا تو وہ اس کو نیکی نہیں سمجھتا۔

قرض خیرات ہی کی ایک قسم ہے ہاں! خیرات کرنا چیریٹی کے مدوں میں دینا بڑی نیکی کے کام ہیں، لیکن دیکھو قرآن میں دیکھو! دنیا میں ایک نیکی وہ بھی ہے جس کے لینے کے لیے خدا آسمان سے خود اترتا ہے۔ وہ قرض دینے کے لیے کہتا ہے، دوسروں کو دلواتا ہے، غریبوں کی مدد کرانا چاہتا ہے لیکن لینے کے لیے فقراء و مساکین کے بجائے خود اپنی ذات مبارک کو دولت مندوں کے دست کرم کے سامنے پیش کرتا ہے ایک جگہ نہیں دو جگہ نہیں، دسیوں جگہ فرماتا ہے "مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔" "کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دیتا ہے"[1]

[1] "قرض حسن" کے متعلق خدا جانے کس نے مشہور کر دیا ہے کہ اس قرض کو کہتے ہیں جس کا دینے والا واپسی کے خیال سے اطمینان اٹھا لے کم از کم مجھے تو معلوم نہیں کہ یہ تفسیر کس کتاب یا حدیث سے ماخوذ ہے۔ لہٰذا ہر اس کا یہی مطلب ہے کہ جو قرض خوش دلی سے بغیر سود اور بغیر نفع کا خیال کیے محض اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے دیا جاتا ہے، وہ قرض حسن ہے۔ یہ قرض گویا اللہ کو قرض دینا ہے اور اس کا سود اللہ کے ذمہ ہے جس نے قرض دار ہی سے سود لے لیا اس نے اپنا حصہ خدا کے پاس کیا رکھا؟ پھر یہ نیکی اور تبرع کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ قرض ہے یا روپیہ کو روپیہ سے زیادتی کے ساتھ بیچنا

سائل کی بڑائی سے سوال کی اہمیت کا اندازہ کرو۔ اس کے منافع کو سوچو باسب کر ہضم کر سکتے ہیں، لیکن اے جاہل انسان! کیا خدا کے ساتھ تو بدگمانی کرے گا دیکھو! وہ فرماتا ہے :۔

"فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً"

(جو اللہ کو قرض دیتا ہے، اللہ اس کے لیے دونا کرتا ہے اور بہت زیادہ دونا"

دوسری جگہ اسی مضمون کو بیان کرنے کے بعد شکی انسان کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔

"وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا"۔

"اپنے لیے جو نیکی بھی آگے بھیجو گے اللہ کے پاس اس کو پاؤ گے وہ مزدوری دینے میں سب سے اچھا سب سے بڑا ہے"۔

لیکن اگر وہ بجائے غریبوں کے خود غربت کے علاج کے لیے انہیں غریبوں کو جن کے زخمی دلوں پر یہ شفاخانے مرہم رکھتے ہیں قرض کی نیکی کا باب یہ کھول دیتے تو غالباً شفاخانوں کی کم ضرورت ہوتی ہے آخر تمہیں تو کہتے ہو کہ بیماری جسمانی کمزوری کا نتیجہ ہے اور جسمانی کمزوری افلاس سے پیدا ہوتی ہے پس اصلی علاج افلاس کا کرو شفاخانوں کی مد میں پھر تم سے کوئی روپیہ طلب نہ کریگا لیکن سعدی کا یہ مطلب بھی تو ہو۔ وہ مدرسہ کھول کر اعلان کرتے ہیں کہ جاہلوں کو عالم بنانے کی راہیں ہم نے کھول دی ہیں۔ ہائے تم پیاس تو پیدا کرتے ہو لیکن جب پیری تشنگی انتہائی مرتبہ کو پہنچ جاتی ہے تو تمہارے جود و کرم کا چڑھا ہوا دریا بالکل اتر جاتا ہے۔ پڑھاؤ، دماغوں میں بیداری پیدا کرو، لیکن جگاتے ہو تو جاگنے والوں کو جن چیزوں کی ضرورت ہے ان کے مہیا کرنے کا بھی کچھ سامان کرو۔

سلطنتوں کا فرض خصوصاً اسلامی ریاستوں سے عرض | میں ان دولتمندوں کو کیا کہوں جو سمجھا ہو کہ

اپنی رعایا پر جان چھڑکنے والی حکومتوں کو میرے پاؤں کا تو اتنا خیال ہے کہ صحراؤں میں بیابانوں میں، وہ میری راہوں سے کانٹے چنتی ہیں، میرے لیے دیوارِ چین سے بھی لمبی لمبی ہزاروں میل کی مسطح وصاف وہموار سڑکیں بناتی ہیں، ان پر خزانوں کے لاکھوں کیا بلکہ کروڑوں روپے صرف کرتی ہیں، لیکن پاؤں سے چند بالشت اوپر میرے پیٹ کے مطالبہ کا ان کو بالکل خیال نہیں ہے۔ میرے پاؤں خوش اقبال، میرے جوتے بڑے بلند اختر کہ ان کے نیچے لامحدود دولت نچھاور ہو رہی ہے لیکن میرا شکم نہایت منحوس، میرا معدہ سخت بدبخت کہ وہ اپنے لیے اس روپیہ کا لاکھواں حصہ بھی صدقہ اور خیرات کی شکل میں نہیں بلکہ قرض کی صورت میں بھی وصول نہیں کر سکتا۔ مرحبا ان سلطنتوں کے لیے جنہوں نے اپنی کراہنے والی بیمار رعایا کے لیے ہر ضلع میں اور ہر تعلقہ میں مختلف قسم کے ڈاکٹر، طبیب، وید، اور دواخانوں کے انبار جمع کر دیئے۔ حبذا ان بادشاہوں کو جو اپنیوں کے تاریک دماغوں میں علم کی شعاعیں بھر رہے ہیں۔ ان پر اور اسی قسم کے سینکڑوں امدادی، رفاہی کاموں پر پانی کی طرح روپیہ بہا رہے ہیں لیکن کوئی ہوتا جو ان سے کہتا کہ موازنہ کے ان لامحدود شعبوں میں جہاں ہر سال کروڑوں روپے کی گنجائش اس لیے رکھی جاتی ہے کہ پھر خزانہ میں ان بیش قرار رقموں کا ایک حبہ بھی واپس نہ ہوگا، کیا بادشاہی کے شکریہ میں یہ ناممکن ہے کہ کروروں کی نہ سہی، دس بیس لاکھ ہی کی شکل میں قرض حسن کی مد میں بھی اس لیے ایک رقم رکھی جائے کہ یہ سرمایہ ہمیشہ کے لیے ضائع نہ ہو جائے بلکہ گھوم پھر کر خزانہ شاہی میں واپس آجائے جب خرچ، فقط خرچ ہونے کے لیے کروروں روپے کی منظوری دی جا سکتی ہے، تو واپس لینے کی محدود رقم کی منظوری کوئی ایسی بڑی بات ہے جس سے کانوں پر ہاتھ دھرے جائیں اور یہ سن کر العیاذ باللہ پڑھا جائے؟ کچھ نہیں تو مسلمان مقروضوں کے اس اسلامی حق ہی پر کوئی اللہ کا بندہ توجہ کرتا جو کسی زمانہ میں اسلامی بیت المال کی بہت سی مدات میں سے قرآنی

تصریح کے مطابق "غارمین" کے لفظ سے قائم کیا گیا تھا۔ یوں کوئی اس حق کو نہیں دیتا تو غیر سودی قرض ہی کی شکل میں دے کر سود در سود کے عذاب سے مسلمانوں کو نجات بخشتا مدرسہ کی سندوں کو ہاتھ میں لے کر یہاں کے فارغین اور متخرجین، طیلسانین و کتابیین، آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ تعلیم گاہوں نے اپنا کام ختم کر دیا۔ جو سوتے ہوئے تھے ان کو جگا دیا گیا۔ جو غبی تھے وہ ذہین ہو گئے۔ جو کچھ نہیں سوچ سکتے تھے، سب کچھ سوچ سکتے ہیں۔ جو تجارت کے گروں سے ناواقف تھے ان کو اس فن کا گرو بنا دیا گیا۔ جو زراعت کو آبائی لکیریں پیٹنے کے ہم معنی سمجھتے تھے ان کے سامنے لاکھوں لکیریں بنا دی گئیں۔ جو بے ہنر تھے ان کو ہنر سے بھر دیا گیا۔ ناکاروں کے ہاتھ میں صناعت کی چابکدستی پیدا کر دی گئی۔ لیکن وہ پھر پوچھتے ہیں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

ہر معاشی فعل و عمل کا ایک اہم رکن سرمایہ ہے۔ پھر کالج اور مدارس میں جو یہ مشہور ہے کہ وہاں کیمیا پڑھائی جاتی ہے اس کا مطلب لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ وہاں سونا بنانا سکھایا جاتا ہے۔ غریب کیمیا کا استاد اگر سونا بنانا جانتا تو دوسروں کے سونے کی زنجیر اپنے گلے میں کیوں پہنتا۔ پس مدارس پر یہ الزام غلط ہے کہ انہوں نے ان کو بے کار بنا دیا مگر تم دیکھو! ان کے بیکار بنانے والے وہ ہیں جن کے پاس سڑک کے پتھر توڑنے کے لیے اُس کی مٹی برابر کرنے کے لیے تو کروڑوں روپے ہیں، لیکن غربت و افلاس کی چٹانوں کو اڑانے کے لیے، مٹی کی نہیں بلکہ اشرف المخلوقات انسان کی ضرورتوں کی ہمواری کے لیے قرض دینے کے لیے ایک پیسہ نہیں ہے۔ علم نے جس کے دماغ کو سب کچھ بنا دیا ہے سرمایہ والے اگر اسی کے ہاتھوں کو مفلوج کر دیں تو تمہیں بتاؤ کہ وہ کیا کرے؟ تجارت کے تالے بھی سرمایہ کی کنجیوں کو ڈھونڈھتے ہیں، زراعت بھی یہی چاہتی ہے۔ صنعت کی راہ میں بھی اسی کی ضرورت ہے۔

بے سرمایہ تعلیم یافتوں کو مدرسہ زیادہ سے زیادہ ایک کارآمد دماغ دے سکتا ہے، مگر کارآمد ہاتھ تو سرمایہ سے پیدا ہو سکتا ہے۔ پھر یہ خواندہ انسان جو سرمایہ سے محروم ہے، اگر اپنے دماغ ہی کو کرایہ پر نہ چلائے تو کیا کرے؟ تم کہتے ہو کہ نوکری بڑی ذلت کی بات ہے۔ یہ ہم بھی جانتے ہیں۔ اپنے وجود کے کسی حصہ کو خواہ وہ دماغ ہو یا کچھ اور ہو کرایہ پر چلانا اس غلامی سے بمشکل ممتاز ہو سکتا ہے جس سے تم آج بیزار ہو۔ کرایہ دار جتنی اپنی مملوکہ چیز کے ساتھ محبت اس کی نگرانی وحفاظت تزئین وتحسین کرتا ہے کرایہ کے مکان کی نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے۔ پس سچ پوچھو تو نوکری غلامی کی وہ بدترین قسم ہے جس پر دنیا کو غلاموں سے زیادہ بھرنا چاہیے سلطنت کی صحیح خدمت کا وہی سزاوار ہے جو اپنے کو دوسروں کے لیے وقف کر سکتا ہے لیکن اُن مفلسوں سے سلطنت اور رعایا کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جو سلطنت کی خدمت کا مصرف یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کی آڑ میں ان کا بھوکا پیٹ سیر اور ان کی شکستہ جھونپڑی قصر اور ان کی بے زیور والی بیوی زیور دار ہو جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان خواہشوں سے جو سیر ہو چکا ہے، حکومت کی ملازمت اسی کو کرنی چاہیے۔ وہ دے گا نہیں، دے گا۔ لوٹے گا نہیں، لٹے گا۔ وہ اپنی خوشی سے نہیں بلکہ اپنے مالک کی خوشی کو ڈھونڈے گا۔ خواہ اس کا مالک یا معبود کوئی انسان ہو یا خود اس کا نام ہو اور

دراصل جو مالک ہے وہی اس کا مالک ہو۔

مصارف کون ادا کریگا

قرض کے حساب وکتاب کے قہقہوں میں سوال اٹھایا جاتا ہے کہ جب قرض بلا سود دیا جائے گا تو اس کے حساب وکتاب، تحصیل وصول پر جو مصارف عائد ہوں گے یہ کون ادا کرے گا؟ لیکن کوئی ان سے پوچھتا کہ حکومتوں کے سیکڑوں رفاہی اور خیراتی محکموں کے مصارف کون ادا کرتا ہے؟ تعلیم کی تنظیم کے لیے جائز ہے کہ محاسبوں، نگرانوں، مراسلہ نویسوں، رجسٹر سازوں، ڈاکیوں، بیونوں، چپراسیوں پر لاکھوں روپے خرچ ہوں۔ سڑک کی مرمت کے لیے

صحیح ہے کہ نقشوں اور حساب کتاب و مراسلت کی مد میں کرۂ زمین ڈھانک ڈھلک دینے والے کاغذات پھیلائے جائیں لیکن پوچھا جاتا ہے
کہ قرض کے کاروبار کے مصارف کون ادا کرے گا؟ حالانکہ یہ ذمہ داری بآسانی اس محکمہ پر عائد کی جا سکتی
ہے جو سودی قرض کے کاروبار کو انجمنوں اور اتحاد باہمی کے ناموں سے جاری کر چکا ہے۔ اگر ایک
کروڑ روپیہ کا حساب کتاب یہ سودی منافع لینے کے بعد کر سکتے ہیں تو کیا دس بیس لاکھ سالانہ قرض
جو بغیر سود کے ایسے لوگوں کو دیا جائے جو سود نہ لینا چاہتے ہیں نہ دینا چاہتے ہیں کیا اس نیک
کام کو حکومت ان انجمنوں کے تنخواہ دار ملازموں سے نہیں لے سکتی؟

بینک کی حقیقت حکومت اگر چاہے تو ایسے لوگوں کے لیے اپنے خزانہ میں کھاتا کھول سکتی ہے جو
اپنا سرمایہ جمع کرنا چاہتے ہیں لیکن بینکوں میں جمع کرنا نہیں چاہتے کہ اس کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ بھی
سُود خواروں کی کمیٹی کا ایک ممبر بن جائے۔ وہ اس قسم کے لوگوں کے سرمایہ کی حفاظت کی
ذمہ داری لے کر ان سے اجازت لے سکتی ہے کہ وہ اپنے اعتماد پر ان کے روپیے ایسے لوگوں
کو قرض دے گی جو اس قرض پر سود نہیں ادا کریں گے۔ بالکل ممکن ہے کہ جس طرح منی آرڈر دل
کے لیے گورنمنٹ سیکڑے کے حساب سے روپیہ بھیجنے والوں سے کچھ فیس وصول کرتی ہے، ایک
خفیف فیس اس مد میں بھی قطعاً گراں نہ ہو ۔ روپیہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں بحفاظت
پہنچ جائے، جو اس صلہ میں گورنمنٹ کو فی صدی ایک روپیہ ادا کرتا ہے، کیا وہی اس صلہ
میں کہ اس کا روپیہ چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ ہو کر سرکاری خزانہ میں جمع کر دیا گیا
ہے فی صدی ایک آنہ بھی ادا نہ کرے گا؟ اگر ادا نہیں کرتا ہے تو گورنمنٹ پھر بھی اپنی رعایا
کی جان اور عزت کی جہاں حفاظت کرتی ہے کیا ہو جائے گا اگر اس کے مال کی حفاظت
بھی کر دے۔ اور غالباً پولیس پر لاکھوں روپیہ زیادہ تر اسی لیے خرچ کیا جاتا ہے بلکہ
اس صورت میں یہ بالکل ممکن ہے کہ سالانہ لاکھوں روپے گورنمنٹ کے خزانہ میں اس کی آمدنی

زائد جمع ہو جائیں گے جس پر اگر نفع نہیں تو کم از کم کچھ سود تو نہ دینا پڑے گا۔ نہ صرف اس کی اپنی رعایا کے روپے اس طرح خزانہ میں جمع ہوں گے بلکہ اعتماد کو محسوس کر کے یقین ہے کہ اجنبی رعایا بھی اس حکومت کے خزانہ میں اپنے کروروں روپے جمع کرا دے۔

ظاہر ہے کہ اب تک جو کچھ کہا گیا موجودہ حالات اس کے مناسب نہیں ہیں۔ دنیا خود غرض دنیا تقلیدی دنیا کے اس سننے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ اس وقت تک مقصد صرف یہ تھا کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ خدا کے حکم کی تعمیل کے ساتھ ساتھ ہم صحیح معاشی قوانین کی پابندی بھی کر سکتے ہیں۔ امکان موجود ہے۔ لیکن بغاوت اور سرکشی کا کچھ جواب نہیں دیا جا سکتا۔ ہم سرمایہ داروں سے بغیر سود کے مانگتے ہیں اور اس قرض کو ہم وطن اور ملک کے غربا کا ایک شرعی اور دینی و اخلاقی حق سمجھتے ہیں لیکن اگر قرض نہیں دے سکتے تو ہم اُن سے درخواست کرتے ہیں کہ تم بجائے سود اور ربائی کاروبار کے مضاربت[1] یا شرکت[2] کے معاملوں کے ذریعہ سے غریبوں کی امداد کرو۔ انسان کو کرایہ پر چلنے کی ذلت سے بچاؤ، علم کو بدنام نہ کرو، ملک کے عام طبقہ کی شدید بے چینی کو تھامو، جرائم اور شرارتوں پر لوگوں کو مجبور نہ کرو، مالی قوت کے مقابلہ میں تعدادی اور جسمانی قوت کو چیلنج نہ دو۔

لیکن سوال یہ ہے کہ رام کی ان کہانیوں کو کون سنتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ سب ڈانٹے گئے تھے، عیسائیوں کو بھی روکا گیا تھا، حتیٰ کہ ہندوؤں کو بھی کسی نہ کسی نے سود کے جرم عظیم سے آگاہ کیا تھا، لیکن امتحان کے میدانوں میں سب کچے نکلے۔ صرف محمدؐ اور فقط محمد صلی اللہ

---

[1] اسلامی اصطلاح میں "مضاربت" اس معاملہ کا نام ہے جس میں ایک طرف سرمایہ ہو اور دوسری طرف محنت اور نفع دونوں میں شریک رہے

[2] شرکت کی بہت سی صورتیں ہیں لیکن عام اور سادہ صورت اس کی وہی ہے جسے کمپنی بنانا کہتے ہیں۔ یعنی سرمایہ دار باہم مل کر کسی کاروبار کو چلائیں اور جو نفع ہو بانٹ لیں۔

علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں میں بقول گبن ایک ایسا دینی نشہ پیدا کیا کہ وہ اسی نشہ میں جھوم رہے ہیں، ان کی جائدادیں لوٹی گئیں، ان کے گھر کھوٹے گئے ان کی زمینیں چھینی گئیں، ان کی ہڈیوں کے چونوں سے یورپ اور امریکہ بلکہ خود ایشیا میں کتنے عالیشان محل بنائے گئے، ان کو روندا گیا، پیا گیا، اور جو کچھ نہ ہونا تھا سب کچھ ہوا۔ ان کے ساتھ انہی کے ہم وطنوں نے، آدم ہی کے بچوں نے وہ کیا جو کسی مرے ہوئے کتے کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا لیکن دیوانوں نے، اللہ کے دیوانوں نے اپنے پیارے نبی (خدا کا ہزار ہزار سلام اس ہادی برحق پر اس نبی برحق اس غمخوار امت پر) کے ارشاد گرامی پر سب لٹا دیا۔ سب کچھ جانتے تھے، اور کون نہیں جانتا کہ کیا کچھ نہیں کر سکتے تھے لیکن مستانہ وار لٹنے دیا جو لوٹا گیا، بٹنے دیا جو بانٹا گیا، برباد ہونے دیا جو برباد ہوا۔ مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے۔ ان کا سرمایہ تو صرف اس قدر تھا اور ہے کہ

خراباتیاں مے پرستی کنید
محمد بگوئید و مستی کنید

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ۔ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

"بولو! "اللہ" اور چھوڑ دو ان کو کہ اپنی بیہودہ خیالیوں میں کھیلتے رہیں"۔

"بولو! جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تجارت اور کھیل سے بہتر ہے اور خدا سب روزی دینے والوں سے بہتر ہے"

ان کے فقہاء نے قرآن دیکھا، آثار و حدیث میں تلاش کیا اور ان کے اللہ نے جس ربا (سود) سے انہیں منع کیا تھا اس کی تفسیر یہ کی۔

قولہ تعالیٰ لا تاکلوا الربا ای الزائد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سود نہ کھاؤ یعنی قرض اور سلم

فی القرض والسلف علی المدفوع و الزائد فی بیع الاموال الربویۃ عند بیع بعضھا بعضاً۔ (فتح القدیر لابن ہمام الحنفی ص۱۴۷)

کے معاملہ میں جتنا دیا گیا ہے اس سے زائد نہ لو اسی طرح جو ربوی اموال ہیں ان کی جب خرید و فروخت کرو تو اس میں بھی زائد نہ لو۔"

اسی طرح دوسری آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:-

أحل اللہ البیع وحرم الربو ای حرم ان یزاد فی القرض والسلف علی القدر المدفوع وان یزاد فی بیع تلک الاموال بجنسھا قدراً لیس مثلہ فی الآخر ص۱۴۷

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اللہ نے تجارت حلال کی اور سود کو حرام کیا یعنی قرض اور سلم کے معاملہ میں جتنا دیا گیا ہے اس پر زیادتی نہ لینی چاہیے اور اسی طرح ربوی مالوں کو جب آپس میں ایک جنس کو دوسری جنس سے بیچا جائے تو کسی جانب ایسی مقدار ہونی چاہیے جو دوسرے میں نہیں ہے۔

ربا یعنی سود کی اس حقیقت کو منقح کرنے کے بعد پھر اس پر قانونی تفریعات کے لحاظ سے دفعات بنائے گئے اور مسلمانوں نے بے چون وچرا اس کے آگے گردنیں جھکا دیں اور الحمد للہ کہ وہ اس وقت تک اپنے اس فعل پر قطعاً نادم نہیں ہیں۔ وہ عشق کے میدان میں اترے ہیں، پھر اپنے جان و دل کے عزیز رکھنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں صدیق سے نبی الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ تم نے اپنا سب کچھ مجھ پر لٹا دیا۔ جانباز یار غار کے سینہ سے بھرآئی ہوئی آواز آئی کہ میرا کیا تھا جس کو لٹایا؟ آج مسلمان بھی اپنے آقا و سردار کی اسی آواز کو پہنچا رہے ہیں، اور پہنچاتے رہیں گے کہ ہمارا کیا تھا جو لٹایا۔ آپ ہی کی راہ میں ملا تھا۔ پھر اگر حضور کی راہ میں لے لیا گیا تو اس کی پروا کیا ہے۔ قاسم نے اگر ایک مرتبہ بانٹا تھا تو کیا وہی دوبارہ اپنے کرم کی بارش نہیں کر سکتا۔ وہ جس دروازہ کا مالک ہے وہاں کس چیز

کی کمی ہے۔

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی فَلِلّٰہِ الْاٰخِرَۃُ وَ الْاُوْلٰی۔ کیا انسان کے لیے وہ ہو جس کی وہ آرزو کرتا ہے؟ پھر اللہ کے لیے تو دنیا اور آخرت دونوں ہیں۔

انسداد سود کی تحریک اور سچ یہ ہے کہ یہی یورپ اور امریکہ ہے جس کے ذہنی اور سیاسی دباؤ کے نیچے مسلمان اپنی خصوصیات کے چھوڑنے پر مضطر نظر آتے ہیں کیا نہیں دیکھتے ہو کہ انہی ممالک کے اجتماعی و اخلاقی نظام کی جنت نما جہنم کے شراروں سے جھلس کر جب کوئی بیچارہ عالم بے چینی میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس مدقوق سسٹم کو توڑ کر اللہ اور اس کے رسولؐ کے مشوروں اور احکام کے اعتماد پر نہیں بلکہ صرف اپنے با قیدہ تخیلات پیچھے اوہام و ساوس کی بنیاد پر اپنی پیش کردہ تجویزوں پر اصرار شروع کرتا ہے تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ایک سے دس اور دس سے بیس اور بیس سے لاکھوں آدمیوں کی جماعت اس اصول کو اپنی زندگی میں تحلیل کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے؟ کتنے ہی اخلاقی سیاسی اور تخیلی و اجتماعی اصول ہیں جو آئے دن ان ممالک میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور صرف عوام کو نہیں بلکہ خواص بلکہ حکومتوں کو بھی ان کے تسلیم پر مجبور ہونا پڑتا ہے ورنہ حکومت سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ روس کے زار کو آخر یہی کرنا پڑا۔ اس مسئلہ میں ممکن ہے کہ چند بنیے یا ساہوکار مسلمانوں کا ساتھ نہ دیں، لیکن ہر قوم و مذہب کے غربا (اور ان ہی کی تعداد سب سے زیادہ ہے) اس آواز پر لبیک کہنے کو تیار رہیں، اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ۔

شکر ہے کہ حرمت سود کے مسئلہ پر اصرار کرنے والی امت محمدیہ علیٰ نبیہا الف سلام و تحیۃ میں اگر چالیس کروڑ نہیں تو انتالیس کروڑ زندہ انسان اس وقت بھی کرۂ ارض کے طول و عرض پر پھیلے ہوئے ہیں، اتنی بڑی قوم اگر ایک معاشی گناہ کو مٹانے کے درپے ہو جائے

تو کیا تم اس کو قدرۃ کے احاطہ سے خارج سمجھتے ہو اور اپنی کوتاہ عقلی سے اسے دور سمجھتے ہو کہ آج نہیں تو کل دنیا کو ان کے اصرار سے کوئی گریز کوئی چارہ کار باقی نہ رہے گا۔ ہمت کی بات ہے ورنہ

دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد،

لیکن پست ہمتوں کو دیکھتا ہوں کہ ان میں سے ایک دوسرے کو گھور رہا ہے۔ اور دل ہی دل میں ایسے بہت ہیں جو بدگمانیوں کے شعلوں میں جھلس رہے ہیں۔ پوچھتے ہیں کہ کیا دین کامل میں "موجودہ معاشی مشکلات" سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے، حالانکہ ان کو یہ کیسا مغالطہ ہوا۔ صحیح ہے کہ "اسلام" نے مسلمانوں کو محکوم فرض ہی نہیں کیا ہے۔ حکومت کو اس نے ان کا پیدائشی حق قرار دیا ہے۔ قرآن کو اس سے انکار ہے کہ مسلم پر غیر مسلم طاقت کے لیے کوئی قدرتی اور اللہ کی بتائی ہوئی راہ ہو۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۔ اللہ نے غیر مسلموں کے لیے ایمان والوں پر کوئی راہ نہیں بنائی۔

اس کا بجز اعلان ہے اور ایمان ہی کی کمی سے اس قانون کے قدرتی نتائج و آثار میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے ورنہ دیکھو کہ کامل ایک ہزار برس تک بغیر سودی کاروبار کے مسلمانوں نے اپنے تمدن کو زندہ رکھا۔

سود کی عارضی تدبیر! لیکن عارضی طور پر اگر مسلمانوں کو غیر اسلامی حکومت میں رہنے کی ضرورت پیش آجائے تو تم سے کس نے کہدیا کہ اس وقت مسلمانوں کی زندگی کا جو کچھ دستور ہونا چاہیے اس کو بتانے میں دین کامل نے کوتاہی کی؟ کیا کمال کا دعویٰ وہ قانون کر سکتا ہے جس میں فطری واقعات کی تو مکمل تشریح ہو لیکن عارضی حوادث کے جواب یا حل سے وہ خاموش ہو؟ "خو بوں" کے پاس جو کچھ تھا وہ ان سب کو مٹا کر آیا، بڑے دیوانے ہو کہ اس کے متعلق ایسا خیال پکاتے ہو۔ کیا

جس کے چلنے کے لیے خدا کی روشنی کافی نہ ہو اس کے لیے پھر کہیں روشنی ہے؟
مَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ جس کو اللہ نے روشنی نہ دی ہو اس کے لیے پھر کوئی روشنی نہیں۔

اسی مسئلہ کو لو، فتویٰ دینا یا نہ دینا تو علماء کی جماعت کا کام ہے لیکن کسی بڑی ڈیوڑھی کی گلیوں کے ایک جاروب کش کی "صدائے سر راہے" بھی سن لو۔ ہو سکتا ہے کہ جو تمہیں ناقص نظر آیا اس کے متعلق تمہیں رائے بدلنے کی ضرورت پیش آجائے۔ ذرا غور سے سننا، ممکن ہے کہ اس کے بعد شاید ان شرعی حیلوں، قانونی داؤ پیچوں، اور سچ تو یہ ہے کہ "قرآن عظیم" کو وقتی ضرورتوں کے تابع کرنے سے قوم کے وہ مخلصین نجات پا جائیں گے جو نتیجہ کو دیکھ دیکھ کر تنکے کا سہارا ڈھونڈھ رہے ہیں۔ کوئی اضعافاً مضاعفہ (چند در چند) کی تقییدی قید میں ایک منصوص حکم کو جکڑ کر اپنے جرم کی بیڑیوں کو مضبوط کر رہا ہے۔ کوئی تجارتی اور غیر تجارتی سود کی تفریق میں زور لگا رہا ہے۔ کوئی جاہلی اور غیر جاہلی "ربوٰ" کی تحقیق کے لیے قدیم عرب کے کھنڈروں میں سرگرداں ہے۔ کوئی بنک کی حقیقت سے اغماض کر کے عصر حاضر کی اصطلاحات و معاملات کے جہل میں پناہ ڈھونڈھتا ہے۔ کوئی ربوٰ البیع اور ربوٰ القرض کی تقسیموں سے اس حرمت کی حرارت کو کم کرنا چاہتا ہے، جس کی تپش کی برداشت کی قوت مسلمانوں کے دل و جگر میں نہیں۔ کوئی سود اور روپیہ کے کرایہ کے خانہ ساز فرق سے خدا کے قانون کو توڑنے کے لیے دانت پیس رہا ہے۔ الغرض وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو بحرانی حالات میں ایک غریب و بے یار و مددگار مریض کر سکتا ہے حالانکہ جو مشکل دین کی وجہ سے محسوس ہو رہی ہے اس کی آسانی بھی تو دین ہی میں تلاش کرنا چاہیے۔ اور کیا کسی حنفی کو اس سے بھی روکا جائے گا کہ وہ اپنے امام کے منشا، نظر کی توجیہ و تفصیل بھی نہ کرے۔

بہرحال اب میں اصل مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں واللہ ولی الامر والتوفیق وھو یقول الحق و یھدی السبیل۔

واقعہ یہ ہے کہ یہاں دراصل دو سوالات ہیں:۔

(۱) غیر اسلامی مقبوضات کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے۔

(۲) مسلمانوں کو ان حکومتوں میں رہنے کے بعد کن قوانین کی پابندی کرنی چاہیے۔

میں ہر مسئلہ کے متعلق ان دفعات کو بترتیب پیش کرتا ہوں جو اسلامی قانون کے متندات میں پائے جاتے ہیں۔ ربنا انک تعلم ما نخفی و ما نعلن وما یخفیٰ علی اللہ من شیٔ فی الارض ولا فی السمآء۔ (باقی)

مراۃ المثنوی

مرتبہ جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے رکن دار الترجمہ

مثنوی مولانا روم کا بہترین ایڈیشن جس میں مثنوی شریف کے منتشر مضامین کو ایک سلسلہ کے ساتھ اس طور پر مرتب کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا مولانا کے مدعا اور ان کی تعلیم کو بڑی آسانی سے سمجھتا چلا جاتا ہے کئی انڈکس اور فہرستیں بھی ہیں جنکی مدد سے آپ حسب منشاء جو شعر چاہیں نکال سکتے ہیں۔ ایک بسیط فرہنگ بھی ملحق ہے غرض یہ کہ اس کتاب نے مثنوی شریف سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایسی سہولت مہیا کر دی ہے کہ ایک شخص بڑی آسانی سے کتاب کے مطالب پر عبور حاصل کر سکتا ہے۔

کاغذ کتابت بہترین جلد نہایت اعلیٰ قیمت ۸؎ انگریزی ۱۰؎ سکہ عثمانیہ

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجئے